پنڈت جی اور صدر کانگرس نے جو کچھ فرمایا معلوم نہیں کہ اس کا اثر اکثریت پر کیا ہوگا اور ان کے یہ سنہرے خیالات کوئی عملی جامہ بھی پہن سکیں گے یا نہیں۔ کیونکہ یہاں عوامی اور جمہوری حکومت قایم ہے جس کے آئین و قوانین اکثریت کی رائے کے مطابق بنتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ تاگزیر اسباب کے باعث اکثریت اس وقت عدل و انصاف اور دیانت و امانت کے جذبہ سے کسی مسئلہ پر غور کرنے کے لئے تیار نہیں ہے تاہم ہم کو اس کی خوشی ہے کہ ہم جو کچھ کہتے ہیں اس کی معقولیت کی دلیل اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ ہی گاندھی جی نے بھی کہا اور صدر کانگرس اور وزیر اعظم ہند نے بھی اسی کا اعلان کیا۔

اس سلسلہ میں یہ بھی عرض کرنا ہے کہ گذشتہ دنوں بابو راجندر پرشاد کے جو چند مضامین زبان کے مسئلہ پر "ہندوستان ٹائمز" میں شائع ہوئے ہیں انھیں پڑھ کر بیساختہ ظفر بادشاہ مرحوم کا ایک شعر یاد آگیا۔

بے سبب تو جو بگڑتا ہے ظفر سے ہر بار — خوش ہی حور شمائل کبھی ایسی تو نہ تھی

کانگرس سیشن کی اس روئداد سے جہاں خوشی ہوئی پچھلے دنوں دستور ساز اسمبلی میں پرسنل لا کی نسبت ممبر قانون ڈاکٹر امبیدکر نے جو کچھ کہا اسے پڑھ کر بڑا افسوس ہوا حکومت کے دعوے اور دستور ہند کی بنیادی دفعہ کے مطابق یہاں کی حکومت سیکولر گورنمنٹ ہے اور سیکولر کے معنی ہیں مذہب کے معاملہ میں غیر جانبدار ہونا اس بنا پر ہونا یہ چاہیئے تھا کہ ہر مذہب کے لوگوں کو خواہ ہندو ہوں یا مسلمان، سکھ ہوں یا عیسائی پرسنل لا کے معاملہ میں آزاد رکھا جاتا اور حکومت اس پر قید و بند لگانے کا کوئی حق اپنے لئے محفوظ نہ کرتی اگر اسی قسم کا برتاؤ روس میں ہوتا تو کسی کو اس پر حیرت اور افسوس کے ظاہر کرنے کا موقع نہ تھا لیکن جس حکومت کو گاندھی جی کے نقش قدم پر چلنے کا دعویٰ ہے اس کے لئے مذہبی معاملات میں اس طرح دخل اندازی کا حق حاصل کرنا نہایت افسوس اور شرم کی بات ہے۔

گاندھی جی مذہبی معاملات میں آزادی کے کتنے قائل تھے! اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ چھوت چھات کو وہ ایک بالکل غیر انسانی رسم یقین کرتے تھے انھوں نے اس

کے خلاف اخلاقی جنگ لڑی اور بڑی حد تک اس میں کامیاب بھی ہوئے۔ لیکن اس کے باوجود صوبوں میں کانگریسی حکومتیں قایم ہو جانے کے بعد بھی انھوں نے کبھی اس کو پسند نہیں کیا کہ چھوت چھات ایسی قبیح رسم کو قانونی جبر سے بند کریں کیوں؟ محض اس لئے کہ یہ رسم اگرچہ معاشرتی اعتبار سے ایک غیر انسانی رسم ہے تاہم ایک طبقہ ہے جو اس رسم کو ایک مذہبی حکم سمجھتا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ دستور ساز اسمبلی کا یہ فیصلہ کسی فرقہ وارانہ ذہنیت کا نتیجہ ہرگز نہیں ہے کیونکہ اس کی زد میں کوئی ایک فرقہ ہی نہیں آتا بلکہ سب ہی آجاتے ہیں لیکن چونکہ اکثریت کی حکومت ہے اس بنا پر اس کو کبھی اس کا اندیشہ نہیں ہو سکتا کہ حکومت اس حق کا استعمال کبھی ان کی مرضی کے خلاف کرے گی البتہ اقلیت کو اس سے بے اطمینانی اور تشویش پیدا ہو سکتی ہے اور وہ بالکل بجا بھی ہے۔

پھر اس کے علاوہ اس کو بھی فراموش نہ کرنا چاہئے کہ ہندو مذہب پر مستند اور فاضل مصنف مسٹر لے نوئیبین کے قول کے مطابق ہندو مذہب کی کوئی دینیات (Theology) نہیں ہے بلکہ وہ خواص کے لئے ایک فلسفہ ہے اور عوام کے لئے چند رسوبات کا مجموعہ (Mythology)

اس کے برخلاف اسلام ایک مکمل دین کا نام ہے جو انسان کی پیدائش سے لے کر اس کی موت تک کے تمام مسائل و معاملات کے لئے الگ الگ اور مستقل احکام رکھتا ہے اس بنا پر پرسنل لا کے ختم کر دینے سے مسلمانوں کا اضطراب ایک قدرتی اور طبعی چیز ہے۔

ملک میں ایک مکمل یک جہتی اور کامل ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے ضرورت اس کی تھی کہ اقلیتوں میں اعتماد پیدا کیا جاتے اور ان کی دلداری کر کے ان کو اپنایا جاتے نہ یہ کہ اس طرح کی اشتباہ انگیز باتیں کر کے ان میں بد دلی اور بد مزگی کا احساس ابھارا جاتے۔